کامل مُرشد

مَیں کیوں المسیح کا پیروکار ہو گیا

صفدر علی

کامل مُرشد

مَیں کیوں المسیح کا پیروکار ہو گیا

صفدر علی

kāmil murshid. maiṅ kyoṅ al-masīh
kā pairokār ho gaya.

The Perfect Spiritual Master. Why I Became a Follower of al-Masih

by Safdar Ali
(Urdu—Persian script)

© 2018 Chashma Media
published and printed by
Good Word, New Delhi

Bible quotations are from UGV.

for enquiries or to request more copies:
askandanswer786@gmail.com

بچپن میں مجھے والد صاحب سے اچھی خاصی دینی تعلیم ملی۔ نہ صرف یہ بلکہ مَیں نے اپنے مزید کتنے ہی دوسرے دین دار گھرانوں کی تربیت اور صحبت پائی۔ کیا عجب کہ مَیں نے بچپن ہی سے دنیا دل پر سرد کر دی۔ ساتھ ساتھ آخرت کی فکر جی میں گڑ گئی، جسے خداوند خدا نے دن دن اپنی عجیب حکمت اور قدرت سے بڑھایا۔

آگرہ میں تعلیم کا حصول

مَیں بیس ایک سال طالب علم رہا۔ شروع میں تو بزرگوں نے مجھے پڑھنے کا شوق دلایا، لیکن چار پانچ سال کے بعد خود میرے اندر یہ شوق پیدا ہوا۔ یہ شوق اِتنا شدید تھا کہ شوق دلانے والے راتوں کو سوتے سے اُٹھ اُٹھ کر کتابیں چھُپاتے اور چراغ بجھاتے تھے۔ ہم جماعتوں نے کتاب کا کیڑا نام رکھا تھا۔

چودہ ایک سال مَیں نے خاص آگرہ میں غریب الوطنی کی حالت میں طالب علمی میں گزرانے جہاں مَیں نے والد صاحب کے سوا دو تین اوپر پچاس اُستادوں سے علم اور ہنر کی تعلیم پائی۔ جس کا علم، ہنر یا کتاب مشہور تھی اُس کو اُسی باب کا استاد بنایا۔

آخری سات آٹھ سال مَیں سرکاری کالج میں داخل ہو کر فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت کی معمولی تکمیل اور تحصیل کرتا رہا۔ مَیں نے انگریزی بھی شروع کی تھی بلکہ اِتنی جلد ترقی کرنے لگا کہ شہر میں اِس کا چرچا ہوا۔ جواب میں مفتی صاحب نے حرمت کا فتویٰ دیا۔ دین پیارا تھا، اِس لئے پڑھنا چھوڑ دیا۔

اُس وقت کے طریقۂ تعلیم کے مطابق اِدھر علومِ یونانی کی تعلیم تھی، اِدھر ہندو ریاضی اور فلاسفی کی تلقین۔ اور اِن کے ساتھ ہی مغربی سائنس بھی سکھائے جاتے تھے۔ عبادات اور بعض دینیات بلکہ دوسرے خاص خاص علوم اور کتابیں جو کالج میں نہیں پڑھائے جاتے تھے اُنہیں مَیں اپنے طور سے شہر میں حاصل کرتا تھا۔

انعام

کالج میں مَیں نے کئی ایک انعام پائے۔ اعلیٰ درجے کی بلکہ اول نمبر کی متواتر اسکالرشپ بھی پوری پوری میعاد تک پائیں۔ اور آخر کو ایک تمغا بھی لفٹیننٹ گورنر بہادر کے ہاتھ سے پایا۔ اِس سے پہلے کسی بھی عربی، فارسی، ہندی یا سنسکرت کے طالب علم کو اُن سے تمغا نہ ملا تھا۔ سب آخری اُستادوں اور کالج کے افسروں نے عمدہ عمدہ سرٹیفکیٹ دیئے۔ جب کالج میں فارسی پڑھانے کی ایک جگہ خالی ہوئی تو مَیں نے اپنے کالج اور دہلی اور بنارس وغیرہ کے طالب علموں اور اُستادوں کے ساتھ بڑے بھاری معرکے کا امتحان دیا۔ نمبر اول حاصل کرکے مَیں اُس خدمت پر مامور ہوا۔

اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ

کچھ عرصے بعد مَیں گورنمنٹ نارمل اسکول کا نیچرل فلاسفی کا اسسٹنٹ پروفیسر بھی مقرر ہوا۔ ساتھ ساتھ مَیں ایک نامی پریس میں اخبار کا ترجمہ اور دوسرے کاروبار کرتا رہا۔ لیکن مَیں نے دینیات کا حصول اُس وقت بھی جاری رکھا۔

روح کی پیاس

غرض سالہا سال دوڑ دھوپ تو بہت ہوئی۔ گلی گلی کوچے کوچے کی خاک چھانی۔ گھر گھر دروازہ دروازہ جا جا کر جھانکا۔ یگانوں بے گانوں، ہم مذہب اورغیرمذہب، ہم قوم اورغیرقوم کے لوگوں کے بڑے بڑے احسان اُٹھائے جن کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ بہت کچھ پڑھا پڑھایا، سنا سنایا اور دیکھا بھالا۔ لیکن بڑے غم کی بات تھی کہ ایک بات جس کی میری روح پیاسی تھی بلکہ دن دن زیادہ پیاسی ہوتی گئی، وہی نہ پائی۔ وہ کیا تھی؟ دلی تسلی اور روحانی آرام۔ تو بھی جہاں تک اُس وقت تک میری معلومات تھی مَیں اِس بات سے خوش بھی تھا کہ دوسرے دینوں اورفرقوں کی نسبت اپنا آبائی دین اورفرقہ ہی اچھا ہے۔

پنجاب میں ڈپٹی انسپکٹر کا عہدہ

1856ء میں مَیں ترقی مل کر ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہو کر راول پنڈی پہنچا۔ پھر ضلع جہلم بھی پایا، پھر قسمت پیشاور بھی سپرد ہوئی۔ لمبے چوڑے دورے کرنے پڑے۔

اہلِ تصوف کی صحبت

اُس وقت چند صوفی درویشوں سے ملاقات ہوئی۔ اُن کی صحبت اور صوفیہ تعلیم پا کر دین کی نئی زمین اور نیا آسمان نظر آیا۔ بڑا بھاری روحانی انقلاب سامنے آیا۔ بڑی مشکلات بھی پیش آئیں۔ بڑی بڑی محنتیں اور ریاضتیں اُٹھانی پڑیں۔ خدا کے فضل سے مَیں نے وہ دُور دراز منزلیں جلد طے کرا دیں۔ لیکن ہوتے ہوتے مجھے ماننا پڑا کہ آخر میں مَیں وہیں کھڑا ہوں جہاں سے شروع میں چلا تھا۔

مُرشد کی تلاش

اُس وقت کا غم برداشت سے باہر تھا۔ تب سب درویش اِس نتیجے پر پہنچے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کامل مرشد یعنی ہدایت کرنے والے کی ضرورت ہے۔ اُس وقت ہم عجب عجب طور بڑے غم اور الم کے ساتھ ایک دوسرے سے مُرشد کی تلاش میں جُدا ہوئے۔

ملتان میں تبدیلی

میری تبدیلی ملتان کو ہوئی۔ ملتان، جھنگ، گوگیرہ اورمظفر گڑھ کی آبادی اور جنگلوں میں مَیں نے درویش ہی درویش پائے۔ گویا کہ مشائخِ صوفیہ کا جنگل تھا۔ یہ دیکھ کر مَیں دل میں نہایت خوش ہوا کہ یہاں تو میری مراد ضرور پوری ہو جائے گی۔ جہاں جہاں مَیں نے درویش کا نام سنا وہاں دوڑا گیا۔ مَیں اُن حلقوں، مجلسوں اور خانقاہوں کا پتہ لگا لگا کر حاضر ہوا اور اپنا حال رو رو کر سنایا ؎

من بہر جمعتے نالاں شُدم
صحبتِ خوش حالاں و بدحالاں شُدم
ہر کسے از ظنِ خود شُد یارِ من
از درونِ من بہ جُستِ اسرارِ من
سرِ من از نالۂ من دُور نیست
لیک چشم و گوش را آن نور نیست

مَیں ہر جماعت میں ماتم کرتا رہا،
خوش حالوں اور بدحالوں کی صُحبت میں رہا۔
ہرکوئی اپنی رائے کے باعث میرا دوست رہا۔
دِل سے رازوں کی تلاش کرتے کرتے
میرا سر ماتم کرنے سے دُور نہیں ہے،
لیکن میری آنکھ اور کان کو وہ نُور حاصل نہیں۔

صوفیوں کا مایوس کن جواب

اُس وقت یہی میرا حال تھا۔ لیکن ساری تگ و دو کا نتیجہ صفر تھا، ہرکہیں سے یہ جواب ملا، "جس پانی کا تُو پیاسا ہے ہمارے پاس نہیں!!!" لیکن ساتھ ہی ہرکسی سے یہ بڑی خوش خبری بھی پاتا تھا: "پرگھبرا نہیں۔ کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں پانی ضرور پائے گا۔"

جبلپور میں واپسی

1860ء میں پوری اُمید تھی کہ بڑی بھاری ترقی ہو گی۔ لیکن اِس کے اُلٹ ہوا۔ گھٹاؤ کا دروازہ کھل گیا، اور مَیں سب ہم عہدوں کے ساتھ گھٹاؤ میں آیا۔

مَیں کمتر درجے کی ملازمت منظور نہ کرکے وطن واپس آیا۔ وہاں مَیں تعلیم کے حاکموں کی مہربانی اور قدر دانی سے ضلع جبلپور کا ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہو کر آیا۔

مُرشد کی تلاش میں عربستان کا پروگرام

وہاں کہیں متلاشی یا درویش نظر نہ آئے۔ مَیں بہت ہی گھبرایا۔ تب مَیں نے فیصلہ کیا کہ عربستان اور خاص کر حرمین میں مُرشد کی تلاش کروں گا۔ مَیں نے رُخصت لے کر رشتے داروں سے ملنے اور وداع ہونے کو وطن گیا۔ لیکن وہاں قرضے کے کسی معاملے میں اُلجھ کر مجھے سفر کو ڈیڑھ دو سال تک ملتوی کرنا پڑا۔

کتابِ مقدّس کو رد کرنے کا ارادہ

ایک دن مَیں نے اچانک کتابِ مقدّس کا ایک حصہ دیکھا۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے اُسے رد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مَیں نے اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ کچھ دنوں بعد عجب اتفاق سے نحمیاہ گورے (نیلکنٹھ شاستری) سے ملا۔ پانچ سات دن تک اُن کے ساتھ دینی بات چیت جاری رہی۔ اِس سے میرے دل

میں کتابِ مقدّس اور دینِ مسیحی کے بارے میں مزید جاننے کا شوق بڑھا۔ تین ایک سال مَیں نے رات دن یہ کرنے میں بسر کئے۔

عالموں سے نفرت کا اظہار

مطالعہ کرتے کرتے مجھے معلوم ہوا کہ دینِ آبائی سچ نہیں نظر آتا۔ تب مَیں بہت رنجیدہ ہوا اور آہ و زاری کرکے جنگل اور پہاڑ میں آنحضرت کو پکارا۔ مَیں نے کئی ایک نامی گرامی عالموں کو بھی اپنا بُرا حال لکھ کر علاج کا جواب مانگا۔ افسوس، کوئی جواب نہ ملا۔ بس اِتنا سنا کہ کسی نے میرے خط کو جلا دیا، کسی نے اُسے پھاڑ ڈالا، یہ کہ کر کہ بے دین کا کیا علاج اور جواب؟

شاستری صاحب کی محبت

چونکہ اُن دنوں مجھے عیسائی مذہب پر بھی بہت شُبہے تھے اِس لئے مَیں نے آخر میں اپنا بُرا حال بیان کرکے شاستری صاحب کو بھی خط لکھ بھیجا۔ فوراً جواب ملا، "مَیں تمہارا دُکھ پہچانتا ہوں اور اِس لئے اب یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن مَیں ایک اسکول کا ہیڈماسٹر ہوں۔ اِس لئے اپنے اور اسکول کے مالکوں کو خبر دیتا ہوں۔ جیسے ہی اُن سے اجازت ملی آتا ہوں۔ اِس کا مطلب

یہ نہیں کہ جواب دے سکوں گا۔ لیکن ہمدرد ہوں گا اِس ارادے سے۔"
دوسرے دن دوسرا جواب ملا کہ "مالکوں نے تمہارا خط سنا اور مجھے فوراً اجازت دی۔ اور اب مَیں روانہ ہوتا ہوں۔"

پھر وہ تشریف لائے اور میرے اور میرے ساتھ کے جو لوگ دینِ حق کے طالب تھے کے روحانی باپ بن گئے۔ وہ چھ ایک مہینے دینی تعلیم اور تلقین کرتے اور اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں ہمیں شریک فرماتے رہے۔ بلکہ وہ میرے ساتھ دورے میں بھی مہربانی سے پھرتے رہے۔ اِس کے باوجود اُنہوں نے یا سکول کے مالکوں نے ایک کوڑی کا بوجھ بھی ہم میں سے کسی پر نہیں رکھا۔[a]

اِس طرح خداوند خدا نے دو افراد کے ذریعے جنہوں نے اپنے آپ کو محروم رکھا ہمارے دلوں کے شک شُبہے دُور کرکے اپنے فضل کا دروازہ کھول دیا۔

---

[a] "ہم" سے دو دوستوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے بعد میں صفدر علی کے ساتھ پبتسمہ لیا۔ ایک کا نام قاسم خان تھا جو سہورا کے گورنمنٹ سکول میں اُستاد تھے۔ دوسرے ایک لائق مولوی بنام کریم بخش تھے۔ وہ بھی سہورا میں اُستاد تھے۔

اپنی قوم کا ردِعمل

یہ دیکھ کر ہمارے قوم کے لوگوں نے ہمیں ناحق پر سمجھ کر دودھ سے مکھی کی مانند دُور پھینک دیا۔ اُنہوں نے سب محبت اور قرابت کے واسطے توڑ ڈالے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اُن کے دین داروں نے ہمیں کم تنگ کیا جبکہ جو دین دار نہیں تھے اُنہوں نے ہمیں بہت ہی ستایا۔ کسی نے ہمارے اہل و عیال کو بہکایا اور بھگایا۔ کسی نے نوٹ، کسی نے کتابیں، کسی نے بہت سے قیمتی کاغذوں کو چُرایا۔ بعضوں نے اچھی طرح سے بھاری چلتے چلاتے پریس کو تُڑوایا۔ کوئی روپئے اور کتابیں لے کر بھاگ گیا۔ کسی نے پریس کی کئی ہزار کتابوں پر حملہ کرکے کوڑیوں کے مول بکوایا۔ کسی نے مال و اسباب دبایا۔ کسی نے مکان ہی دبوایا۔ اور اِسی طرح جس کے جو جی میں آیا کر گزرا۔ اب تک وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

سب سے خطرناک دشمن

مگر مَیں نے اپنے ہی نادان اور ناپاک دل کو سب سے خراب پایا ہے۔ وہی میرا جانی اور روحانی دشمن ہے۔ یہ جان کر ہم اپنے مبارک مُرشد اور رہبر کے بے حد فضل کے شکر گزار ہیں جس نے اِس وقت تک ہمیں تلوار کی

دھار پر چلایا ہے۔ اُسی پر بھروسا ہے کہ وہ آخر تک ہماری حمایت اور حفاظت کرکے اِس دنیا سے اُٹھائے گا اور اپنے پاس بلائے گا جہاں ہم ابد الآباد خوش حال رہیں گے۔